عدل الٰہی کے متعلق اسلامی نظریہ

استاد شہید ڈاکٹر سیّد محمّد حسین بہشتی

عدل عمومی

اسلامی ادراک کے مطابق ساری دنیا ایک ایسی حقیقت ہے جو عدالت کی بنیاد پر قائم ہے۔ آسمان اور زمین عدالت پر قائم ہیں۔ ہر چیز ایک ضابطہ اور حساب کی تابع ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

"وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ" (سورہ رحمٰن، آیت ۷)

''اس نے آسمان کو بلند کیا اور ہر چیز کے لئے میزان قائم کی۔''

ہر چیز ایک ہدف کی جانب رواں دواں ہے: کوئی چیز بیکار اور لاحاصل نہیں۔ ایک زندہ خلیہ کے اندر پوشیدہ اور ایک ایٹم کے قلب میں دکھائی دینے والے نظم سے لیکر اس باہمی تعلق اور پیچیدہ نظم تک جو ایک زندہ موجود کے جسم اور نظام شمسی اور بالآخر کہکشاؤں اور آسمانوں میں موجود ہے اور وہ تمام دقیق اور تعجب انگیز قوانین جو تمام کائنات پر حکومت کرتے ہیں اور جنہیں سائنس دریافت کرتے اور کام میں لانے کی کوشش میں مصروف ہے۔

جس اصول کی نشاندہی ہمیں امام علی علیہ السلام کے ارشاد گرامی سے ہوتی ہے اس کے مطابق عدل اس چیز سے عبارت ہے کہ: ''ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی ہو۔'' اور اس کے برعکس ظلم یہ ہے کہ: ''کوئی چیز اپنی اصلی جگہ سے ہٹ جائے۔''

تمام دنیا میں عام نظم وضبط اور اسے قائم رکھنے والے روابط سے انحراف اختلال اور پراگندگی کا موجب بنتا ہے اور اعتدال اٹل فطری قوانین اور روایات کی پیروی کرنے سے حاصل ہوتا ہے تاکہ ہر چیز اپنی جگہ اور اپنی روش اور اپنی تدریجی ترقی کے مخصوص ضابطہ کے مطابق پیش قدمی کرے۔

نظم واعتدال ان جبری اصولوں میں سے ہے جو فطرت پر حکومت کرتے ہیں اور خود طبیعی موجودان روابط کی نوعیت کے انتخاب یا اعتدال کی حفاظت یا اس سے انحراف کا اختیار نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ کسی قسم کا اختلال پیدا ہونے سے فطرت میں جو ردعمل اس لئے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ فساد کے اسباب اور پیش رفت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرے، نئے سرے سے نظم وضبط برقرار کرے اور ترقی اور

کمال کیلئے راستہ صاف کرے، وہ بھی فطرت کے جبری اصولوں میں سے ہوتا ہے۔

گو خود اختلال کا بھی ایک مخصوص نظم ہوتا ہے جو بلا شبہ ایک بڑے اعتدلال اور نظم میں خلل ڈال دیتا ہے۔ تاہم خود طبیعت میں تعمیری تضاد کی شکل میں ایسے بیرونی یا اندرونی عوامل ہوتے ہیں جو رکاوٹ دور کردیتے ہیں۔

خرابی سے جنگ کی اس جبری سنت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ میکروب اور وائرس انسان کے بدن میں داخل ہوکر اسے بیمار کردیتے ہیں جس سے ہیجان اور شدید تکلیف کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ خون کے سفید اجزا (گلوبولس) یا دوائیاں باہر سے اس جنگ میں مدد کرتی ہیں اور بالآخر عام نظم اور اعتدال اور بدن کی صحت برقرار کردیتی ہیں۔

آزادی ارادہ وعدل ارادی

جیسا کہ ہم تفصیل سے ملاحظہ کرچکے ہیں ارادے میں کامیابی کی خاطر عدل انسان پر ایک خاص شکل میں حکومت کرتا ہے، کیونکہ تمام عوامل میں سے ارادے کا عامل اور انسان کے انتخاب کرنے کی قوت ایک بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ جبری عوامل اور روایات کے کردار اور انتخابات کے عامل کی حدود کی وسعت کے درمیان موازنہ نے دنیا کے ایک عظیم ترین فلسفیانہ مسئلہ کو جنم دیا ہے۔ یہ کہنا چاہئے کہ یہ انسان کے قدیم ترین اور ساتھ ہی ساتھ حساس ترین خیالات میں سے ہے اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل اور اس میدان میں انسان کی بصیرت کی نوعیت خودسازی اور جامعہ سازی کے سلسلہ میں اس کی کوشش اور عمل کے دائرے اور قابلیت سے براہ راست تعلق رکھتی ہے۔ مسلمانوں میں بھی جبر اور اختیار کے بارے میں بحث نے بہت سے جھگڑوں کو جنم دیا اور بہت سی کلامی اور فلسفیانہ بحثیں شروع ہوگئیں۔ ایک گروہ نے ان آیات کی روشنی میں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ عزت اور ذلت اور ہدایت اور گمراہی خدا کے ہاتھ میں ہے، یہ نتیجہ نکالا کہ انسان خود کسی قسم کا ارادہ یا آزادی نہیں رکھتا۔ درحقیقت وہ اسے خدائے تعالیٰ کی مشیت کے ہاتھ میں ایک بے ارادہ اوزار قرار دیتے ہیں۔

یہ نتیجہ اخذ کرنے کے بعد وہ اسے ایک اور نظریہ کے لئے سند قرار دیتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم خدائے تعالیٰ کی جس وسیع حاکمیت اور مطلق تسلط کے قائل ہیں، اس کی روشنی میں توحید پر اعتقاد سے

یہ لازم آتا ہے کہ دنیا کے تمام مظاہر حتی کہ انسانوں کے اعمال اور کردار تک خدا کے ارادے اور مشیت کے اختیار میں ہے اور پروردگار عالم کی مشیت مطلق کے مقابلہ میں کسی ارادے اور اختیار کا وجود نہیں ہے، ورنہ جو کام کوئی اپنی مرضی سے کرے وہ خدا کے دائرہ اختیار سے خارج ہوجائے گا اور یہ صورت اس نظریہ سے سازگار نہیں کہ امر اور ارادہ خداوند عالم کی ذات میں مرکوز ہیں۔

دوسری جانب ان حکومتوں نے جو موقع کی تلاش میں تھیں اس نظریہ کی تائید کی کیونکہ اس طرح لوگ کوئی اعتراض نہیں کرسکتے تھے اور اگر حاکم شان وشوکت اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا اور لوگ فقروفاقہ اور ذلت سے دوچار ہوتے تھے، تو وہ دم نہیں مار سکتے تھے کیونکہ اس صورت حال کی توجیہ یہ کہہ کر کی جاتی تھی کہ ہر چیز خدا کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار اور کردیتا ہے۔ بالکل اسی طرح ساسانی شہنشاہ بھی لوگوں کو ان پر عائد بندشوں اور انکی تمام محرومیوں کے ساتھ ان کے طبقوں میں محدود رکھتے تھے اور اس کی توجیہ یہ پیش کرتے تھے کہ چونکہ انکا تعلق ایک مخصوص طبقہ میں منتقل ہونا ممکن نہیں، لہٰذا انہیں چاہئے کہ اونچے طبقوں کے وسیع اختیارات اور بے حد وحساب آسائشوں کے مقابلہ میں اپنے طبقہ سے مربوط ذلت اور دباؤ برداشت کرتے رہیں۔

علاوہ ازیں ہندومت کا طبقاتی نظریہ بھی ان اچھوتوں کی ان شدید قانونی اور سماجی محرومیوں کو جوان پر جبراً مسلّط کی گئی تھیں، ان کا مقدر قرار دیتا تھا اور ایک طبقہ اور اس سے وابستہ ذلت وتکالیف سے دوسرے طبقہ میں منتقل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اسلام میں نسلی، قبائلی اور طبقاتی درجہ بندی اور سماجی گروہوں کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی اور تخلیق، سرشت اور والدین کے نقطۂ نظر سے سب انسانوں کو یکساں سمجھا تا ہے۔

تاہم جب یہ نظریہ خاص توجیہ اور تفسیر کے ساتھ پیش کیا گیا کہ خدا کی جبری مشیت لوگوں کے مقدر اور اجتماعی حالات پر حاوی ہے، تو یہ انہیں خاموش رکھنے کے لئے بخوبی موثر ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اشاعرہ کا مذہب جس کا جھکاؤ جبر کی جانب تھا عموما حکومت کا سرکاری مذہب قرار پایا اور اس کے مخالفین (معتزلہ) جو کسی حدتک آزادی کے قائل تھے، حکومت کے مد مقابل رہے اور ان پر سختیاں کی گئیں۔

مسلمانوں کے گروہ نے ان آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے جن سے اختیار کا پہلو نکلتا ہے، یہ مسلک اختیار کیا کہ انسانوں کے کام خود ان کے سپرد کئے گئے ہیں ۔ وہ خود ہی ارادہ کرتے ہیں اور خود ہی اپنا مقدر بناتے ہیں۔ اس گروہ کے مطابق اس خیال کی تائید پیغمبروں کی آمد ان کے ڈرانے اور خوشخبری دینے اور اس کے علاوہ تکلیف ، معاد، جنت اور دوزخ کے مسئلے سے ہوتی ہے۔

پھر یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ مخالفین کا نظریہ درست ہے اور لوگ جو کام انجام دیتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہوتے ہیں تو اس بناء پر لوگوں کے گناہ اور مظالم اور برائیاں بھی اعمال الٰہی تصور کی جانی چاہئیں جبکہ ذات خداوندی ظلم اور دوسرے ناروا کام سے منزہ اور مبرا ہے۔

لہٰذا اشاعرہ کے دلائل کے مقابلہ میں خدائے تعالیٰ کی ''تنزیہ'' کا مسئلہ پیش کیا گیا۔

مذہب عدل

مذہب عدل شیعہ نقطہ نگاہ ہے ، وہ اسلام کی صحیح تعلیم کے پیش نظر ، مذکورہ بالا دونظریات کی افراط و تفریط کے مابین معتدل عقیدہ اور حد واسط کا قائل ہے۔

چنانچہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے :'' نہ جبر ہے اور نہ تفویض (خود مختاری) بلکہ دونوں کے درمیان ایک راہ ہے۔''

اس نظریہ کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل مسائل پر توجہ دینا ضروری ہے:

ا۔توحید کے اصول کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ہم نے ''توحید'' کے باب میں سمجھ لیا ہے اور خدائے تعالیٰ کے امر اور فرمان اور اس کی وسیع اور مطلق حاکمیت کے بارے میں واقفیت حاصل کرلی ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ پوری کائنات کی ہر چیز خدائے تعالیٰ کے ارادے کے دائرہ میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

"وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" (سورہ البقرہ آیت ۲۵۵)اس کا دائرہ حکومت تمام آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔

۲۔ امر الٰہی ایسے اصولوں کی شکل میں ہے جو فطرت اور انسان اور دنیا کے فطری علل وعوامل اور

روابط پر حکومت کرتے ہیں۔

۳۔ انسان کی روش بھی کچھ عوامل کا مظہر ہے جس میں سے ایک انسان کا ''ارادہ'' ہے۔یہ ''ارادہ'' بھی خدا کی سنت ہے یعنی اس نے چاہا کہ انسان ارادہ کرسکے۔ یوں انسان کی اُزادی بھی خدائے تعالیٰ کے امر کا نتیجہ ہے۔لہٰذا ''توحید'' کے مسئلہ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اور انسان سمیت تمام موجودات پر خدا کا بطور مطلق محیط ہونا برقرار ہے۔

۴۔ بلاشبہ انسان کا ''ارادہ'' مطلق آزادی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ ایک ایسی خواہش ہے جو بہت سی فطری ، ماحولیاتی ، وراثتی اور ذاتی شرائط سے مشروط ہے جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی لہٰذا تفویض بھی مطلق نہیں ہے بالخصوص جب یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ انسان کو اپنے ارادہ سے کسی چیز کا انتخاب کرنے کے لئے کئی ایک شرعی اور اعتقادی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مثلاً وحی الٰہی ، دینی قوانین وضوابط کا وجود، اوامر ونواہی اور مسئلہ معاد اور قطعی عملی نتیجہ۔

۵۔ یہ خود انسان ہے جو اختیار کا غلط استعمال کرکے شر اور فساد پیدا کرتا ہے ۔ پس اگر معاشرہ میں ظلم اور فساد کا وجود ہے تو یہ خدائے تعالیٰ کے ارادے کی مخلوق نہیں بلکہ انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ پروردگار عالم کی ذات ہر قسم کی آلودگی اور فساد سے پاک ہے اور فساد اور شر کا تعلق لوگوں سے ہے۔

ممکن ہے یہ سوال کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے ایسے انسان پیدا ہی کیوں کئے جو زمین پر شر وفساد پھیلاتے ہیں؟ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ ایسے لوگ پیدا کرتا جو کسی برائی کے مرتکب نہ ہوتے اور سبھی انسان نیک اور صالح ہوتے ! تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسے لوگ پیدا کئے جاتے تو وہ مجبور اور بے ارادہ موجودات ہوتے۔ ایک آزاد موجود ہی کبھی نیک عمل کرتا ہے اور کبھی شر کا مرتکب ہوتا ہے۔ کچھ لوگ نیک راستہ پر چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو فساد کا راستہ اپناتے ہیں اور یہی آزادی کی خاصیت ہے۔لہٰذا سوال کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ:

اگر انسان ایک بے ارادہ ، مجبور اور محکوم موجود کی شکل میں پیدا کیا جاتا ہے تو بہتر ہوتا یا موجودہ شکل میں (یعنی ایک آزاد اور ارادے اور تشخیص کی قوت رکھنے والی ہستی کی حیثیت سے) اس کی تخلیق بہتر ہے؟

اس سوال کا جواب واضح ہے یعنی انسان کا آزاد اور آگاہ موجود ہونا یقیناً بہتر ہے۔اسی کے ساتھ

یہ نتیجہ بھی قبول کرنا پڑتا ہے کہ دنیا بھلائی اور برائی، ظلم و عدل، حق اور باطل، آزادی اور غلامی اور اسی طرح کے لاتعداد دوسرے تضادات سے بھری پڑی ہے اور اس مقصد کے لئے تیار ہے کہ انسان اپنی آزادی اور علم پر مبنی کردار ادا کرے۔

۶۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب صورت حال یہ ہے تو ان آیات کا کیا مقصد ہے کہ اے خدا تو حکومت اور قدرت دیتا ہے، تو حکومت اور قدرت چھین لیتا ہے، تو عزت دیتا ہے، تو ذلت دیتا ہے، ہر چیز تیرے ہاتھ میں ہے یا یہ کہ اے خدا تو ہدایت دیتا ہے اور تو گمراہ کرتا ہے، وغیرہ۔ اگر انسان آزاد ہے اور اپنے مقدر کا انتخاب اور تعمیر خود کرتا ہے تو عزت اور ذلت خود اس کے ہاتھوں میں کیوں نہیں ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں ہر مظہر بعض اصولوں کے تابع ہے اور وہ اصول تخلیق کی ترکیب اور خداوند عالم کا امر ہیں۔ عزت اور ذلت، غریبی اور امیری، فتح وشکست، ہدایت اور گمراہی، موت اور زندگی، قدرت اور محکومیت، اور باقی سب چیزیں مظاہر ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ وہ بے حساب ہوں اور کسی قانون، نظام اور اصول کے تحت نہ ہوں۔ کسی فرد یا قوم کو عزت بلاوجہ نہیں مل جاتی۔ اقتصادی ترقی خود بخود حاصل نہیں ہوتی۔ موت کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ شکست وفتح کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ان اصولوں کو پہچانے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں اختیار کرکے کمال کے راستہ کا انتخاب کرے۔

خداوند متعال عزت دیتا ہے لیکن ان لوگوں کو جو عزت حاصل کرنے کے اصولوں کو پہچانتے ہیں اور ان پر گامزن ہوتے ہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح مکہ سے ہمکنار کیا لیکن یہ ہجرت کے آٹھویں سال میں ہوا جب وہ کئی سال جنگیں لڑ چکے تھے اور انہوں نے اس فتح کے لئے تمام تدابیر اختیار کرلی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں لوگوں نے ایک فتح حاصل کرنے کے لئے تمام ضروری اصولوں اور قوانین پر عمل کیا اور اس کے حاصل اور معلول کے طور پر خدا نے انہیں کامیابی عنایت کی۔

بلاشبہ خدا گندم کے دانوں سے بھری ہوئی بالیاں اس کی ڈنڈی سے پیدا کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسان نے فصل کی پرورش اور اسے آفات سے بچانے کے لئے تمام ضروری تدابیر اختیار کی ہوں۔

عدل اور معاد

معاد میں عدل الٰہی کا اظہار خاص طور پر ہوتا ہے ۔ جزا اور سزا میں عدل اور انسانوں کے اعمال اور مراتب کی درجہ بندی اور صفوں کی ایک دوسرے سے دقیق جدائی اور انسانی فطرت وخصلت کا اظہار جیسا کہ ہوتا ہے، اور معاد کے بارے میں وہ تمام دوسری باتیں جن کا پتہ ہمیں قرآن مجید سے چلتا ہے، معاد سے عدل کا تعلق ظاہر کرتی ہیں۔

جب یہ طے کرلیا جائے کہ انسان کا عمل خود اس کے لئے اپنے آزاد ارادہ کا حاصل ہے، اور جب انسان کو اپنے عمل اور مستقبل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے، اور وہ پیغمبروں کی دعوت اور عقل اور وجدان کی ہدایت کی بدولت کافی حد تک عمل کی قدر و قیمت اور ماحصل یا اس کے منفی اثرات سے باخبر ہوجائے، اور اس بنا پر اپنے علم اور ارادے سے کام انجام دے یا اپنی روحانی خصلتوں کو شکل دینے اور ان کا رخ متعین کرنے اور اپنی اندرونی خواہشات کو اعتدال پر لانے یا ان سے کنارہ کش ہونے کی کوشش کرے تو بالآخر وہ اپنی اور معاشرہ کی بہتری یا بربادی کے لئے جو کچھ بھی کرنا چاہئے، کرے۔ اس صورت میں کامل عدالت یہ ہے کہ پاداش کے تعین میں اعمال کی صحیح حد بندی کی جائے اور جن حالات میں وہ انجام دئے گئے ہوں، ان کا لحاظ رکھا جائے اور ان کے مثبت اور منفی اثرات کو بھی ملحوظ رکھا جائے تاکہ وہ پاداش متناسب اور دقیق ہو۔

'' اور لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے ان کے مطابق درجے ہوں گے اور یہ اس لئے تاکہ خدا انکو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا'' (سورہ آل عمران، ۲۵)

کسی شخص کا کوئی اقدام فراموش نہیں کیا جاتا اور تمام اعمال مکمل طور پر محفوظ رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اعمال جنہیں خود متعلقہ افراد بھلا چکے ہیں۔'' جب خدا انہیں دوبارہ اٹھائے گا تو انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کر دے گا ۔ اگرچہ یہ لوگ ان کو بھول گئے ہیں، لیکن خدانے ان کو یاد رکھا ہے۔ (سورہ مجادلہ، ٦)

خدا لوگوں کو انکے ہر عمل سے آگاہ کرے گا خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو اور کسی بھی شکل میں یا کسی بھی حالت میں انجام دیا گیا ہو۔

چنانچہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیتیں کیں۔ ان کے سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے:

''اے بیٹے ! اس میں شک نہیں کہ وہ عمل (اچھا ہو یا برا) اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہو جو کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں چھپا ہوا ہو تو خدا اسے (قیامت کے دن) باہر نکال لائے گا۔ بے شک خدا بڑا باریک بین اور واقف کار ہے۔'' (سورہ لقمان)

اور عمل کے ماحصل اور خود عمل میں اس قدر ہم آہنگی اور تناسب ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے گویا خود عمل ظاہر ہو رہا ہے:

جس دن ہر شخص اس نے جو کچھ نیکی (دنیا میں) کی ہے اور جو کچھ برائی کی ہے اس کو موجود پائے گا۔'' (آل عمران، ۳۰)

اور پھر ہر شخص خود اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا نہ کہ کوئی اور شخص جس کا اس کے ارتکاب میں کوئی حصہ نہ ہو:

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' (سورہ الانعام، ۱۶۵)

''جو شخص اچھا کام کرتا ہے اس میں خود اس کا فائدہ ہے اور جو شخص برائی کرتا ہے اس میں خود اس کا نقصان ہے۔'' (حم السجدہ، ۴۶)

حتی کہ اس بارگاہ عدل میں رتبہ، خاندان، معاشرہ میں رسوخ، مال و دولت، خفیہ سازش، پارٹی بازی یا سفارش کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی:

''وہ دن جب دولت اور اولاد سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔'' (سورہ الشعراء، آیت ۸۸)

''اس وقت نہ تو سرکشوں کا کوئی سچا دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارش کرنے والا جس کی بات مان لی جائے۔'' (سورہ المومن، ۱۸)

''جو رزق تمہیں دیا گیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پیشتر کہ وہ دن آئے جب سوداگری، دوستی اور سفارش کسی کام نہ آئے گی۔'' (سورہ البقرہ، آیت ۲۵۴)

پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو لوگوں میں قرابت داریاں رہیں گی نہ وہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے۔ (سورہ المومنون، آیت ۱۰۱)

بلاشبہ وہاں نفس انسان، اپنے ایمان، عمل اور مکمل نفسانی کیفیت کے ساتھ موجود ہوگا اور اس کے اعمال کی جانچ ''دقیق حساب'' اور ''میزان عدل'' کے ذریعہ انجام پائے گی۔ یہ جانچ صراط مستقیم میں اور اس دستاویز کی بنیاد پر ہوگی جو زندگی کی کتاب ہے اور جس میں تمام اونچ نیچ درج ہے اور فیصلہ

اس خدا کے ہاتھ میں ہوگا جو عادل، خبیر، اور غنی مطلق ہے اور ہر قسم کی طرفداری، سود جوئی، دھمکی اور لالچ کے مقابلہ میں کمزوری اور جھکاؤ سے برتر ہے۔

اور گواہ بھی خود انسان ہوگا اور جو کچھ اس نے کیا ہے وہ اسکے تمام وجود سے پھوٹ پھوٹ کر نکلے گا اور پشیانی اور چہرہ سے ظاہر ہوگا اور یہ ضروری نہیں کہ زبان بولے بلکہ تمام بدن خود بولے گا اور انسان کے کردار اور عادات کا مظہر ہوگا۔